Taṣdīq
Vol 6 No 2, 2024

Article

Literature, Society, Politics and Review of Kishwar Naheed's Notions

ادب، معاشرہ، سیاست اور کشور ناہید کے افکار کا جائزہ

[1*]Mehreen Jahangeer,[2]Dr Aasma Rani
[1]Lecturer, [2]Associate professor, Government Sadique College Women University Bahawalpur
*Correspondence: mehreenjahangeer@gscwu.edu.pk

[1]مہرین جہانگیر، [2]عاصمہ رانی

[1]لیکچرار، [2]ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاولپور

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

DOI: https://doi.org/10.56276/dj52gr33

Received:06-12-2024
Accepted:06-01-2025
Online:15-01-2025

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2024 by the authors.

ABSTRACT
The relationship between politics and literature is quite old, and many Urdu writers have tried to exercise their right to express their theories of literature by raising their voice against the constraints of time. Notable names include Bashir Badr, Nida Fazli, Javed Akhtar, Rahat Indori, Mustafa Zaidi, Manzar Rana, Shakil Badayuni, Arshad Nishat, and Rasa Chughtai. While almost everyone expresses their feelings about the current situations in a poetic manner, it is difficult to find someone like Kishwar. Naheed who has expressed his ideas in literary form using verbal structures. Such personalities are those who not only fearlessly wrote their literary theories in the face of changing trends but also their poetic and prose works embody their concepts. In the context of Kiswar Naheeds book "Dairon Mein Pheli Lakeer" (The Line Spread in Circles), the role of a writer in representing the style of a writer will be expressed through the themes of his poetry.

KEYWORDS: Boundaries, Theories, Politics, Challenges, Oppression, Injustice, Prevailing

ادب زندگی ہے جس میں جذبات احساسات تخیلات اور تفکرات کو خوبصورت الفاظ کے پیرائے میں ڈھال بیان کیا جاتاہے۔ ادب میں ہر موضوع پر اپنی تدبرانہ اور دانشمندانہ گفتگو کرنے والے شخص کو ادیب کہتے ہیں۔ ادیب کا تعلق خواہ کسی بھی اصناف ادب سے ہو اس کو اظہار اور ازادی رائے کا حق حاصل ہے۔ ادیب کا ذہن ہر قسم کی پابندی اور حدود و قیود سے

آزاد ہونا چاہیے اسے معاشرے میں رائج ظلم بربریت خوف و ہراس سے ہٹ کر اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہیے۔ ادب کے بے شمار موضوعات میں سے ایک سیاست ہے۔ دنیا میں بہت سے ایسے پیشے ہیں جن کا شمار مشکل اور آزمائشی کاموں کے ضمن میں آتا ہے۔ انہی میں سے ایک سیاست ہے۔ سیاست کا ادب سے رشتہ بہت پرانا ہے اردو ادب میں بہت سے ادبائے کرام نے اس سلسلے میں وقت کے خلاف آواز اٹھا کر اپنے قلم کا حق ادا کرنے کی سعی کی۔ ان میں بشیر بدر ، ندا فاضلی, جاوید اختر, راحت اندوری, مصطفی زیدی، منور رانا، شکیل بدایونی، ارتضی نشاط، اور رسا چغتائی کے نام قابل ذکر ہیں۔ گو کہ قریبا ہر کسی کے ہاں حالات پر دلیرانہ انداز سے اپنے خیالات کا اظہار ملتا ہے مگر جس انداز کشور ناہید نے اپنے افکار کو لفظی سانچے میں ڈھال کر قلمی جنبش سے بیان کیا اس کی نظیر کسی اور کے ہاں ملنا مشکل ہے۔۔ ان کا شمار ایسی شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے بدلتے رجحان کے ساتھ نہ صرف جرأت و بے باکی سے اپنے نظریہ ادب کو تغیر و تبدل سے لکھا بلکہ شعری و نثری کتب ان کے تصورات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ زیر نظر مقالہ کشور ناہید کی آزادی اظہار کے متعلق لکھی گئی کتاب دائروں میں پھیلی لکیر کے تناظر میں ادیب کا کردار ادا کرنے کے متعلق ہے۔ جس میں ان کے نزدیک ادیب کے طرز عمل کو ان کی شاعری کے موضوعات سے بیان کیا جائے گا۔

ادب زندگی کی سچی اور حقیقی تصویر کشی جس میں لکھنے والا خوب صورت الفاظ کے چناؤ سے اپنے جذبات، احساسات اور تخیلات کو لفظی سانچے میں ڈھال کر بیان کرتا ہے۔ یہ ایک وسعت کا حامل ایسا تصور ہے جس کا تعلق انسان کی اخلاقی، تہذیبی اور ثقافتی ترقی سے جڑا ہے۔ یہ صرف لکھنے اور پڑھنے نہیں بلکہ انسانی تجربات اور مشاہدات کی ترسیل ہے اس میں ادبیت، حسن پرستی اور حقیقت پسندی کا امتزاج ہی فکری قوتوں اور کاوشوں کو بیان کرنے کا نام ہے۔ اس کا مقصد کسی بھی انسانی ذہن کی عصری اور معنوی تربیت کرنا اس کی تفہیم کرنا اور اس کے تصورات حیات کی تشریح و توضیح ہیں۔ اس کے توسط سے انسان معاشرت اور تاریخ کا ادراک کرتے ہوئے گزرے ہوئے وقت کے بند دریچوں کو کھنگال سکتا ہے۔ یہ حضرت انسان کو جڑنے سمجھنے اور ایک دوسرے سے تعاملات کا موقع فراہم کرتا ہے۔ یہ محفل تفریحی سرگرمی کا نام ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کی پیچیدہ نفسیات کو اجاگر کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

ادب کے متعلق اپنے انداز فکر کو بروئے کار لاتے ہوئے مختلف مغربی مفکرین نے اپنے تئیں اسے بیان کرنے کی ہر ممکن سعی کی۔ افلاطون نے اسے عالم تمثالی کی نقل قرار دیا تو ارسطو نے ادب کو انسانی جذبات کی تطہیر کا باعث قرار دیا۔ جان راسکن کے نزدیک انسانی ذہین کی جمالیاتی تربیت جو انسانی ذات کو عملی جانب راغب کرے ادب کہلایا۔ سگمنڈ فرائیڈ نے ادب کو لاشعوری طور پر اپنے جذبات کی ترجمانی کا ذریعہ سمجھا جس کا تعلق ذی روح کی اندرونی خواہشات اور نفسیاتی حالات کو سمجھنے کی بصیرت سے تھا۔ مائیکل فوکو کے تصورات میں ادب طاقت، علم اور حکومتی نظام فکر کا ترجمان تھا۔ جم ایم کڑ نے اسے ایک ایسی

اخلاقی قوت قرار دیا جو انسانوں کے بنیادی مسائل کے متعلق سوال پوچھنے اکسائے اور جوابات بھی دے۔ ادب کے زمرے میں شامل ہے۔ مجنون گورکھ پوری لکھتے ہیں:

"ادب کوئی راہب یا جوگی نہیں ہوتا۔۔۔ ادب ایک مخصوص ہیئت اور اجتماعی ایک خاص نظام تمدن کا پروردہ ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی دوسرا فرد اور ادب بھی براہ راست ہماری معاشی اور سماجی زندگی سے اس طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح ہمارے دوسرے حرکات و سکنات۔"(۱)

سیاست کسی بھی مملکت کے آئین کی بالادستی سے وجود میں آنے والی پالیسی ہے۔ کاروبار حکومت کو چلانے کا گر اسی کے زمرے میں آتا ہے۔ سیاست کا لفظ یونانی زبان سے ماخوذ ہے جو اصل لفظ "ساس" سے لیا گیا ہے۔ اسی کے لغوی معنی سلطنت اور اقتدار کے ہیں اس کا مقصد لوگوں میں اصلاح ترقی پسندی اور شعور کو اجاگر کرنا ہے۔ اس سے وابستہ افراد برسر اقتدار ہو کر اپنے خیالات کو عوام الناس کی اصلاح کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ قوموں کی ترقی ان کے عروج وزوال کی داستان میں سیاست کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اس کا مستحکم ہونا کسی بھی ملک کی خوشحالی اور ترقی کی ضمانت ہے۔ ادب سیاست اور سماج ایک تکون کی صورت میں کام کرتے ہیں۔ سیاسی تبدیلی سماج پر اثرانداز ہوتی ہے اور سماجی تبدیلی کے اثرات ادب پر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ پروفیسر مجیب لکھتے ہیں:

"ہر قوم کے سیاسی حالات اور مقاصدات کی سیرت اور زندگی کے سانچے میں ڈھالتے ہیں اور ان کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اس ماحول اور زمانے کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ جن میں ان کی پیدائش اور پرورش ہوئی ہو۔"(۲)

سیاسی نظام کا استحکام کسی بھی ملک کی ترقی اور خوشحالی کی ضمانت ہے۔ جن معاشروں میں سیاسی توازن بگاڑ کا شکار ہو وہاں جبر استحصال، بھوک، افلاس اور غربت جیسے اندوہ ناک مسائل سے عام شخص کی زندگی متاثر ہوئی ہے۔ سیاسی تبدیلی کا گہرا اثر طبقاتی نظام پر پڑتا ہے۔ ہر فرد چھوٹے بڑے طبقے سے تعلق رکھنے والا فکر معاش سے دوچار ہوتا ہے۔ معاشرے کی فکر افراد کے مابین جب توازن بگاڑتی ہے تو ترقی کا پہیہ جام ہونے سے کوئی بھی ملک ترقی پذیر ممالک کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر سید انوار الحق حقی لکھتے ہیں:

"سیاسی نظریہ اور سیاسی فلسفہ انسان اور انسانی معاشرے کے لیے خیر اور صلح کے نظام کے اصولوں کے مطالعے سے عبارت ہے۔ انسان محض زندہ رہنے کے لیے نہیں زندہ رہتا بلکہ وہ

اچھی زندگی بسر کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔"(۳)

سیاست کی عدم استحکامی چونکہ سماج کے ہر طبقے پر اثرانداز ہوتی ہے۔ ادب کی بنت میں بھی اس کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں۔ یہ فریضہ خواہ وہ شاعر ہو یا ادیب اسے ذمہ ہے کہ اُس نے عصری شعور کے اثرات کو قبول کرتے ہوئے اپنی تحاریر میں اس کا استعمال کیسے کیا؟ خوب الفاظ وتراکیب کو لفظی پیراہن سے نوک قلم کا استعمال کرتے ہوئے کاغذ پر منعکس کرنے کا فریضہ کٹھن مرحلہ کیسے سر کیا؟ کیونکہ یہ وہ مزدور ہے جس کی کل کمائی اس کی تحریر ہے۔ وہ درویش ہے کہ جس کی بندگی وریاضت کا کل اثاثہ اس کی تحریر ہے۔ ایک ایسا شخص جو زبان کی طاقت کو سمجھ بوجھ سے لوگوں کے دل و دماغ تک پہنچانے پر معمور ہے۔ انسانی حقیقتوں کو فطرت اور دنیاوی سانچوں میں ڈھال کر شعوری طور پر اس کا ادراک کرنے پر قادر ہے۔ اس کا کام ہے کہ ادبی تخلیق کو انسانی تجربات اور نفسیاتی پہلو کی ترجمانی کرنے پر اکسائے۔ آل احمد سرور لکھتے ہیں:

"عام لوگ احساس رکھتے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کرسکتے انہیں زبان و بیان پر وہ قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ ادیب کو اس کے برخلاف اپنے احساس کے اظہار پر پوری قدرت ہوتی ہے اور اس کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات کو قابل فہم بناسکتے۔"(۴)

فن کار کا خون جگر صرف ہو تو کوئی بھی ادبی پارہ معرض وجود میں آتا۔ صنف شاعری لفظوں اور حسن کی پیکر تراشی سے وجود میں آتی ہے۔ اُردو شاعری اپنے ابتدائی دور سے عصر حاضر تک اپنے زمانے کے مطابق وقت کے تقاضوں کا ساتھ دیتی دیکھائی دیتی ہے۔ وہ شاعری جو کبھی حسن محبوب و پیکر تراشی اور مناظر فطرت کی تصویر کشی کرتی ہے تو کہیں بھولی بسری یادوں کا نوحہ بن کر قاری کے دل و دماغ پر اثرانداز ہوتی ہے۔

ادب میں سیاسی نظریات کا پرچار یوں تو بہت سے ادبائے کرام اور شعراء نے کیا ان میں سے ایک نام کشور ناہید ہیں جنھوں نے اپنی نثر اور شاعری دونوں میں سیاسی اثرات کے مثبت و منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ان کی زیرک نگاہ اور دور اندیشی کے باعث ان کے افکار اور خیالات میں ان کی فن کارانہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ملتا ہے۔

کشور ناہید کی ذہنی آبیاری میں دوسری جنگ عظیم، ترقی پسند تحریک، قیام پاکستان کی تگ و دو د سقوط ڈھاکہ، ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی اور جنرل ضیاء اللہ کے مارشل لاء نے کلیدی کردار ادا کیا۔ انھوں نے تخلیقی قوت کا بھرپور اظہار، قلمی شعور کو لفظی جنبش دینے اور ارباب اختیار کے خلاف اعلان بغاوت سے کیا۔ وہ مثل

یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
جو اہل جبہ کی تمکنت سے نہ رعب کھائیں

نہ جان بیچیں

نہ سر جھکائیں نہ ہاتھ جوڑیں(۵)

کشور ناہید نے اپنی شاعری میں کہیں انقلابی سوچ کا پرچار کیا تو کہیں قلمی معنویت سے سیاسی نظام کے عدم استحکام میں پڑے جمود کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی کیونکہ ان کے نزدیک اب ادب کو جدید سانچے میں ڈھل کر جبر و استحصال کا خاتمہ کرنے کا داعی ہونے کی ضرورت تھی۔ مثلاً:

ہم اندھے پن کے متلاشی

جہاں تمیز کی حدیں غائب ہو جاتی ہیں

اور ہم صرف لمس بن کر رہ جاتے ہیں

لمس جو معذرت اور التجا کا آئینہ ہے

یہاں غربت اور امیری رہے گی

اس لیے کہ ہم ذہنوں کو چھو کر انہیں بے قیمت کر دیتے ہیں(۶)

گھر کے ماحول اور معاشرے میں چھائے مایوسی اور قنوطیت کے سایوں نے کشور ناہید کے قلم کو ہر گذرتے لمحے کے ساتھ اپنے خیالات کی وسعت کو سمیٹنے کے لیے الفاظ پر لگے سلاسل کے خلاف آواز اٹھانے کا حکم دیا۔ انھوں نے اس سے بخوبی فائدہ اٹھایا۔ مثلاً:

حدت جوش و طلب چہروں کی ویرانی کرے

خوف سے مبہوت، آنکھوں کی یزدانی کرے

حرف کی زنجیر میں بھی اب کھنک باقی نہیں

یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے(۷)

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران ادباء و شعراء کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی چونکہ اظہار پر پابندی تھی۔ تمام تحاریر کو سنسر کیا جانے لگا۔ جس کے بعد ادب میں علامت نگاری نے جنم لیا۔ کشور ناہید جیسے ادباء کرام نے اپنے کلام میں اس وحشت سے بھرے دور کو بڑی بے خوفی اور بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا۔

اپنے لہو سے نام لکھا غیر کا بھی دیکھ

زندہ ہے تو شقاوت دشت بلا بھی دیکھ

آنکھوں کے آئینوں کا توپانی اتر گیا

اب جسم چوب خشک ہے یہ سانحہ بھی دیکھ (۸)

کسی بھی ملک میں سامراجیت اور استعماریت کا خاتمہ سماجی انصاف پر منحصر ہے۔ قوانین ایسے ہوں کہ جن کی بدولت پورے معاشرے میں انسانوں کے بنیادی حقوق کو تحفظ ملے۔ کشور ناہید نے بنیادی انسانی حقوق کے اظہار خیال کو ضروری سمجھا اور اس کا اطلاق ان الفاظ میں کیا۔

فغاں قبا تھی مری بستیوں کے جسموں کی

وہ جب چلا تو سمندر بھی ہاتھ ملتا تھا (۹)

معاشرے کے تشکیلی عناصر میں مساوات و برابری اہم ترین جز ہیں۔ جب ریاستی قوانین کا سلوک ہر فرد سے مساویانہ بنیادوں پر ہو تو ملک میں امن کا نظام قائم ہوتا ہے۔ کشور ناہید نے اس ضرورت کی اہمیت کو ان الفاظ کے ذریعے لکھا۔

اب ہتھیلی پہ رکھی آنکھوں میں بینائی کہاں

اب تو احوال گزشتہ کھل کے کہنا چاہیے (۱۰)

کسی بھی ریاست کے انتظامی امور کے استحکام میں پورے ریاستی افراد حصہ لیتے ہیں۔ انہی میں معاشرے کا پرولتاری طبقہ بھی شامل ہے۔ چھوٹے پیشوں سے وابستہ محنت کش افراد جو فکرِ روزگار کی چکی میں پستے ہی چلے جاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ریاست ان کی ترجمانی کرکے انہیں ہر شعبہ ہائے زندگی میں اپنی شناخت ملے۔ کشور ناہید نے ان کے حوالے سے کچھ یوں لکھا:

میں کبھی غم تھی مجسم غم بوسنیا میں روتی بلکتی عورتوں کو دیکھنے سے پہلے میں کبھی بھوک تھی

بوسینا میں بول براز کھاتی

صومالیہ میں اونٹوں کی کھال سے بھوک مٹاتی ہر ڈوئی لڑتی انسانیت کو دیکھنے سے پہلے

میں کبھی آواز تھی

قوموں کی برادری کو چوکاڑروں کی طرح آنکھیں بند کیے

مگر شیروں کی بربادی کو ناپتے ہوئے دیکھنے سے پہلے (۱۱)

کشور ناہید نے ان تمام کرب و اذیت کے لمحات کو اپنی تحاریر میں فنی اظہار کے پیرائے میں ڈھال کر سیاسی سماجی تہذیبی ثقافتی بنیادوں کی اہمیت کے طور پر بیان کیا۔ یہ الفاظ محض ان کے ہی نہیں یہ ہر اس دل کی ترجمانی کرتے ہیں جو بہتری کا خواہاں ہیں۔ جس کی خواہش ہے کہ فساد کی جگہ امن تشدد کی جگہ مکالمہ اور جبر کی جگہ صلح جنم لے۔ ۸۰ برس کی کشور کی آنکھیں ان

خوابوں کی تعبیر تلاشتی ہیں جن کی بدولت مملکت پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ عصر حاضر کا ادب بھی انہیں مسائل کا شکار ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان افراد کے آداب کو وقتی سلاسل کی قید سے آزاد کیا جائے تا کہ ادیب کا ذہن بغیر کسی حیل و حجت کے ان اصول وضوابط سے ہٹ کر اپنے فرائض انجام دے سکے۔

حوالہ جات

۱۔ مجنون گورکھپوری، مضمون 'ادب اور زندگی'، مشمولہ 'ادب اور زندگی'، اُردو گھر علی گڑھ، ۱۹۸۴ء، ص ۲۷

۲۔ مجیب، پروفیسر، "تاریخ فلسفہ سیاست"، ترقی اُردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۸

۳۔ سید انوار الحق حقی، ڈاکٹر، ہاشم قدوائی، "جدید وسیاسی فکر"، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء، ص

۴۔ آل احمد سرور، مضمون 'ادب میں اظہار و ابلاغ کا مسئلہ'، مشمولہ 'نظر اور نظریے'، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۷۳ء، ص ۷۶

۵۔ کشور ناہید، "دشت قیس میں لیلیٰ"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۹۷۲

۶۔ کشور ناہید، "گلیاں دھوپ اور دروازے"، منظور پریس، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۴۹

۷۔ کشور ناہید، "لب گویا"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۶۴

۸۔ کشور ناہید، "دشت قیس میں لیلیٰ"، ص ۱۷

۹۔ ایضاً، ص ۶۵۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۴۵

۱۱۔ www.youtube.com